کی گئی ہے۔ جس میں انہوں نے ایک مستفسر (مرتب رسائل) کو رافعی کی کتابیں پڑھنے کی ہدایت کی تھی۔ دونوں مقدمے دلچسپ اور تسکین ذوق کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ آخر میں اشاریہ اور جا بجا توضیحی حاشیے بھی ہیں۔ اس بیش بہا تحفے پر قدر دانانِ رافعی کی طرف سے ہم مرتب کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ہمارے ملک کے عام عربی داں یا عربی خواں نئی اور پرانی عربی کا فرق کرتے ہیں، حالانکہ عربی وہی ہے۔ قدیم و جدید کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں۔ اُردو میں بھی پرتاپ اور ملاپ کی زبان نمونے کے طور پر نہیں پیش کی جاتی۔ آپ رافعی، امیر شکیب ارسلان، محمد کرد علی، عبدالقادر مغربی، سید رشید رضا کو پڑھیں گے تو محسوس کریں گے کہ وہی مضر و عدنان کی زبان ہے۔ اور عصر حاضر کے یہ انشا پرداز دورِ عباسی کے اچھے سے اچھے انشاپردازوں سے کسی طرح کم نہیں۔ البتہ نئی ایجادوں اور نئے معانی کے لیے نئے الفاظ اور اصطلاحوں کا پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ دورِ عباسی میں بھی ہزاروں ایسے الفاظ پیدا ہوئے، جو جاہلی اور اموی عہد میں نہیں تھے اور انہیں آپ پرانی عربی ہی سمجھتے ہیں ——— بات تبصرہ کے حدود سے بڑھ نکلی۔ کہنا یہ تھا کہ جدید رجحانات، نہ کہ جدید عربی، سے واقفیت کے لیے رافعی کا مطالعہ ضروری ہے اور اس مطالعے میں حیاۃ الرافعی کے ساتھ زیر نظر کتاب رسائل الرافعی سے بھی مدد ملے گی۔ ع

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

(۲) ذکری الامیر شکیب ارسلان (امیر شکیب ارسلان کی یاد)۔ مرتبہ: محمد علی الطاہر تقطیع متوسط، ۵۲۶ صفحے۔ طباعت اچھی۔ کاغذ معمولی۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء۔

سید جمال الدین افغانیؒ کے شاگرد اور ان کے طریق فکر و عمل کے داعی، امیر شکیب ارسلان سے کون واقف نہیں؟ ساری عمر علمی و عملی جدوجہد میں بسر ہوئی۔ عربی کا تو کیا کہنا، کہ یہ دورِ حاضر میں عربی زبان و ادب کے امام تھے۔ خود تو یہ رافعی کی امامت کے قائل تھے، مگر راقم کی نگاہ میں، دونوں کا اپنا اپنا مقام ہے۔ اس کے علاوہ ترکی اور فرنچ کے بھی ماہر اور باکمال انشاپرداز تھے۔ جرمن اور دوسری یورپی زبانوں سے بھی واقف تھے۔ لبنان کے ایک خوش حال اور خاندانی امراء کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آلِ ارسلان اسلامی تاریخ کے ہر دور میں سیف و قلم کے مالک رہے ہیں۔ گھرانے کی روایات کے مطابق جلدی ہی عربی نثر نگاری

اور شاعری میں اچھی جگہ پیدا کر لی پھر سیاسیات میں دلچسپی لی تو عثمانی حکومت کے چوٹی کے اہل سیاست میں شمار ہونے لگا۔ بزم کے ساتھ رزم کے بھی مرد میدان تھے۔ طرابلس میں اپنے خاص دوست انور مرحوم کے ساتھ خوب خوب مردانگی کے جوہر دکھائے۔ پہلی بڑی لڑائی کے خاتمے پر عربستان کی سرزمین ان پر "حرام" قرار دے دی گئی۔ برطانیہ، فرانس، اٹلی، کوئی بھی انہیں برداشت کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس لیے عمر کے آخری تیس سال جلاوطنی میں گذرے۔ حرم اسلام (حجاز) اور حرم مغرب (سوئٹزرلینڈ) کے سوا کہیں انہیں امن نہیں ملتا تھا، مگر یہ اللہ کا مجاہد بندہ تمام مشکلات کے باوجود اپنے کام میں لگا رہا۔ دوسری بڑی لڑائی کے ختم ہوتے ہی لبنان کی جمہوریت نے آزادی کا سانس لیا، تو وطن مالوف کو واپس ہوئے، لیکن قسمت میں وطن کی صرف مٹی ہی لکھی تھی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد دار آخرت کی راہ لی (دسمبر ۱۹۴۶ء)

یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے امیر شکیب ارسلان کی طویل اور دکھ سکھ سے بھری ہوئی زندگی کا۔ محمد علی الطاہر نے ان کی یادگار میں مقالات اور منظومات کا یہ ضخیم مجموعہ شائع کرکے بڑا کام کیا ہے۔ عرب ملکوں میں ہمارے ہاں سے وفا شعاری زیادہ ہے۔ خود امیر شکیب ارسلان، وفا شعاروں کے امام (امام الاوفیاء) کہے جا سکتے ہیں۔ سید رشید رضا اور احمد شوقی بک پر امیر البیان کی تصنیفات جن لوگوں نے پڑھی ہیں، وہ راقم کی اس رائے سے اتفاق کریں گے[۱]۔ محمد علی الطاہر، امیر سے خاص محبت رکھتے ہیں۔ زندگی بھر ان کا دم بھرتے رہے اور مرنے کے بعد بھی ارمغان عقیدت پیش کرنے میں پیش قدمی کی۔

مجموعہ کے مرتب محمد علی الطاہر ایک فلسطینی مجاہد اور بے باک صحافی ہیں۔ زبان و ادب میں تو ان کا کوئی خاص مقام نہیں، مگر حق گوئی اور بے باکی میں وہ اپنی آپ مثال ہیں۔ ان کے "الشوریٰ" "امۃ الشباب" کے جرأت آموز مقالات کی یاد اب تک دلوں سے محو نہیں ہوئی۔ اس مجموعہ میں انہوں نے کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں رکھی۔ وفات کی خبر سے لے کر کتاب کی طباعت تک عربی اخبارات اور تعزیتی جلسوں میں جو کچھ

---

۱ ان سطروں کے لکھنے کے بعد زیر نظر مجموعہ کی دوبارہ ورق گردانی کر رہا تھا کہ سید رشید رضا مرحوم کے صاحبزادے سید منعم رضا کے قلم سے ایک مختصر مضمون نظر سے گذرا، جس میں انہوں نے امیر کو "امیر الاوفیاء" (وفاشعاروں کے سردار) کے لقب سے یاد کیا ہے۔ توارد خیال اسی کو کہتے ہیں۔

لکھا اور کہا گیا ہے، وہ سب اس میں جمع کر دیا گیا ہے۔ تعزیت کے تاروں سے لے کر طویل مقالات اور پرسوز مرثیے تک، سب کچھ اس میں موجود ہیں۔ بعض بعض مرثیے بہت موثر اور پُردرد ہیں۔ یوں تو شبلی ملاطہ کے مرثیے کی داد خود صدر جمہوریہ[1] نے نظم ختم کرتے ہی ٹیلیفون سے دی تھی[2]۔ مجموعے میں ایک موثر مرثیہ استاذ محترم ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کے تراوشِ فکر کا نتیجہ بھی ہے، لیکن راقم کو مراکش کے مشہور لیڈر محمد علّال الفاسی کے مرثیے نے جتنا متاثر کیا، اتنا اس مجموعے کی کسی اور چیز نے نہیں کیا۔ علّال کو امیر البیان مانتے بھی بہت تھے "دل را بدل رہیست" شاید ایسے ہی موقعوں کے لیے کہا گیا ہے۔

مجموعہ میں کچھ "چوٹیں" بھی ہیں اور محمد علی الطاہر کی کسی کتاب کا ان سے خالی ہونا ناممکن ہے۔ عبدالرحمٰن عزّام (جن کی امیر نے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی) نے خود کسی تعزیتی جلسے کا نظم نہیں کیا، اور نہ ان کے بلائے ہوئے جلسے میں خاص حصہ لیا۔ اس پر محمد علی الطاہر کو بڑا غصہ آیا ہے اور اپنی روایتی بے باکی کے مطابق کچھ "اسرار درونِ پردہ" فاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ زیرِ نظر مجموعہ ایک ادبی کشکول ہے۔ عدن سے لے کر جنوبی امریکہ تک، ہر جگہ کے عربی شاعر یہاں جمع ہیں۔ درمیان میں امیر کی زندگی کی مناسبت سے سیاسی معلومات بھی کافی آگئے ہیں شائقین ادب کے لیے دلچسپی کی چیز ہے۔

(۳) مشاهداتی فی جزيرة العرب۔ (جزیرہ عرب میں میرے مشاہدات) مصنف احمد حسین بڑی تقطیع، ۳۶۸ صفحے۔ طباعت اعلیٰ۔ کاغذ غنیمت۔ مطبوعہ قاہرہ سنہ ۱۹۵۰ء۔

---

[1] صدر جمہوریہ بشارہ خوری کے والد خلیل خوری سے امیر البیان کے دوستانہ تعلقات تھے اور وہ ہمیشہ امیر کے ممنونِ کرم رہے۔ اسی احسان شناسی کے جذبے کے ماتحت صدر جمہوریہ نے امیر کی واپسی کی جان توڑ کوشش کی اور وفات پر تعزیت و جلوس کے انتظامات سے خاص دلچسپی لی۔ واضح رہے کہ صدر جمہوریہ عیسائی اور خود بھی عربی کے اچھے ادیب ہیں۔

[2] شبلی ملاطہ لبنان کے مشہور عیسائی شاعر ہیں۔ بیروت کے ریڈیو اسٹیشن سے مرثیہ سنانے کا ذکر ہے۔ وہ ابھی نظم ختم بھی نہیں کر پائے تھے کہ صدر جمہوریہ نے ٹیلیفون سے مبارک باد دی۔